# خانخان نامہ

## دیبی پرشاد کی معرکہ آرا تصنیف کا جائزہ

افتخار احمد غوری

خانخان نامہ کو شائقین نے ہاتھوں ہاتھ لیا کیونکہ اس میں معلومات انوکھی اور نئی تھیں چنانچہ مکرر سہ کرر اسے چھپوایا گیا لیکن مانگ تھی کہ ختم ہی نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ مصنف نے ناظرین کے پیہم اصرار پر ۱۸۹۸ء میں اس کو چوتھی بار چھپوایا۔ اس کی نظرثانی کی اور اضافہ مطالب اور مضامین مفیدہ سے مزید مزین کیا اور کایستھ صدر ہند سبھا لکھنؤ کے زیراہتمام یہ سارا کام پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اگرچہ ۱۸۷۹ء سے لے کر ۱۸۹۸ء تک یہ کتاب کئی بار چھپ چکی تھی لیکن پھر بھی ناپید ہو گئی تھی۔ اس کتاب کی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۹۹۰ء میں انسٹی ٹیوٹ آف سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین سٹڈیز کراچی نے اس کتاب کو دیدہ زیب آرٹ پیپر پر چھپوایا۔ صفحات ۷۳، قیمت مبلغ ساٹھ روپے۔

## کوائف مصنف

ہندوؤں میں کایستھ ذات والے لوگ پیشہ کے لحاظ سے منشی، کاتب، محرر، نویسندہ یا وقائع نویس کو کہتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کی خارجی، داخلی یا روزمرہ کی زبان فارسی تھی، اس لئے یہ لازم ہو گیا تھا کہ یہاں کے باشندے روزمرہ کام کاج چلانے کیلئے فارسی زبان سیکھیں۔ چنانچہ کایستھ ذات کے لوگ جو کہ پیشہ ور منشی تھے، ان کے لئے سرکاری ملازمت حاصل کرنے کیلئے فارسی زبان دانی ایک اہم ضرورت تھی اور سلاطین لودھی کے دور حکومت میں کایستھ پہلے غیر مسلم افراد تھے جنہوں نے فارسی زبان سیکھی۔ اس کے بعد مغل دور میں تو فارسی زبان کا حصول اور اس میں مہارت ایک لازمی امر بن گیا تھا کیونکہ فارسی دانی کے بغیر سرکاری ملازمت کا حصول ناممکن بن گیا تھا۔ چنانچہ ہندوؤں میں کایستھ اور برہمن ہی دو قومیں ایسی تھیں جنہوں نے فارسی زبان سیکھ کر مغلیہ دور میں بڑے سے بڑے سرکاری عہدے حاصل کئے بلکہ ایک ایسا

دور بھی آیا جبکہ ہندوؤں نے فارسی پر اتنا عبور حاصل کر لیا کہ وہ شاعری کرنے لگے اور مختلف موضوعات پر کتابیں بھی لکھنے لگے۔ تاریخ نویسی اور انشا پردازی میں انہوں نے کمال حاصل کیا۔ حتیٰ کہ لغت نویسی میں بھی عالمانہ مہارت حاصل کی۔ منشی کے پیشے کو ایسا اپنایا کہ اس کی اجارہ داری حاصل کر لی۔ یہی وجہ ہے کہ مغلیہ بادشاہوں اور ان کے امراء اور اکثر اداروں میں ہندو منشی تحریری خدمات سرانجام دیتے تھے۔

پیشتر اس کے کہ ہم نفس مضمون کی گہرائی میں جانے کی کوشش کریں پہلے یہ بات صاف ہو جائے کہ کایستھ قوم کون تھی۔

ہندوؤں کی نچلی ذاتوں میں خاص طور پر تشخص کی پہچان ہمیشہ سے چہرے کے رنگ سے نہیں بلکہ پیشے کے تعین سے کی جاتی ہے۔ ویش اور شودر سے مراد تشخص نہیں ہوتا بلکہ اہیر (چرواہا) کایستھ (محرر، منشی یا اہلمد) یا سونار وغیرہ کے پیشوں سے تشخص کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ کایستھ ایک پیشہ ور فارسی دان منشیوں یا محرروں کی ذات تھی جس نے مسلم دور حکومت میں اپنا ایک مقام پیدا کیا ہوا تھا۔ مسلم دور کے زوال کے بعد بھی انگریزی دور حکومت میں ہندوؤں اور بالخصوص کایستھ قوم نے کسی حد تک فارسی زبان سے اپنا لگاؤ قائم رکھا جس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی تصنیف "ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ" میں خاص طور پر فارسی دان ادیبوں، دانشوروں اور شاعروں کے نام تحریر کئے ہیں۔ ان میں منشی دیبی پرشاد سحر کا نام بھی شامل ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منشی دیبی پرشاد ایک جانے پہچانے قلمکار ہی نہیں تھے بلکہ شاعر بھی تھے۔

(۲) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (مطبوعہ لیڈن) میں نور الحسن صاحب نے اپنے مقالے میں دیوا پرشاد کا حوالہ دیا ہے جو غالباً منشی دیبا پرشاد ہی ہے۔

(۳) حسن عزیز جاوید صاحب نے اپنی کتاب "عبدالرحیم خانخاناں اور ان کے دوھے" میں بالخصوص منشی دیوی پرشاد جودھپوری کا ذکر کیا ہے۔

خیال اغلب یہی ہے کہ مندرجہ بالا تین مثالیں ہمارے مصنف منشی دیبی پرشاد کی طرف ہی اشارہ کرتی ہیں۔

ہمارے مصنف منشی دیبی پرشاد اعلیٰ پایہ کے فارسی دان تھے اور انہوں نے اپنی کتاب خانخان نامہ میں فارسی دانی کا خاصہ فائدہ بھی اٹھایا ہے۔ انہوں نے معتبر کتابوں سے جاندار حوالہ جات لئے ہیں اور کوزے میں

دریا کو سمو دیا ہے۔ سیدھی سادھی عام فہم زبان میں یہ دلپذیر کتاب لکھی ہے اور لاتعداد حوالہ جات کو یکجا کر کے تاریخ کے طلبہ کو زیر احسان بنا دیا ہے۔ ایسی کتاب کی موجودگی میں بڑی بڑی ضخیم کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اردو زبان میں اس پایہ کی کتابیں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب بار بار چھپنے کے باوجود اس کی طلب اور مانگ میں کمی نہیں ہوئی۔

یہ مختصر سی کتاب دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ نواب بیرم خان خانخانان اور دوسرا حصہ عبدالرحیم خانخان کے سوانح حیات پر مشتمل ہے۔

## خطاب خان خانان کی وجہ تسمیہ

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لیڈن ۱۹۷۸ء ج ۴، ص ۱۰۱۹) نے اس اعزاز کی تشریح یوں کی ہے کہ مغلیہ عہد میں یہ ایک عظیم فوجی اعزاز تھا۔ بابر نے اپنے عہد حکومت میں دلاور خان کو اس خطاب سے فوقیت بخشی بعد ازاں ہمایوں نے بیرم خان کی بے مثال خصوصیات سے متاثر ہو کر اسے خان خاناں کے خطاب سے نوازا۔ اکبر نے یہی اعزاز منعم خاں کو بخشا اور نو سال بعد عبدالرحیم کو اس خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ جہانگیر نے یہ خطاب مہابت خان کو دیا تھا۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے یہ خطاب میر جملہ کو دیا تھا۔

نواب بیرم خان کا تعلق ترکمان قبیلہ سے تھا۔ شروع شروع میں یہ خانہ بدوش قبائل تھے جو منگولیا سے مغربی ایشیا کی طرف چلے ان قبائل میں سیاسی طور پر جن قبیلوں نے شہرت حاصل کی تھی وہ صرف دو تھے۔ پہلے آق قونیلو(Aq-Qoyunlu)اور دوسرے قراقونیلو(Qara-Qoyunlu)۔ قراقونیلو ترکی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی سیاہ بھیڑوں والے کے ہیں۔ زمانہ قدیم سے ان کا ذریعہ معاش گلہ بانی تھا۔ جس قبیلے کے پاس کالی بھیڑیں زیادہ تھیں وہ قراقونیلو کے نام سے مشہور ہو گیا۔ انہیں اپنی بھیڑیں بہت عزیز تھیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی بھیڑوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ یہ شیعہ عقائد کے حامل تھے۔ ۱۳۷۵ء میں موصل عراق اور آذر بائیجان میں آباد ہو گئے تھے۔ ۱۳۹۰ء سے ان کا مشہور سردار قرایوسف تھا جس نے پہلے امیر تیمور کے بیٹے میراں خاں کو شکست دی اور پھر ۱۴۱۰ء میں احمد کو شکست دے کر بغداد فتح کیا۔ قرایوسف کے بیٹوں مرزا سکندر اور مرزا جہاں شاہ نے ۱۴۶۶ء تک آذر بائیجان پر حکومت کی ان کی حکومت کا خاتمہ ان کے ہم عصر آق قونیلو (سفید بھیڑوں والے) کے سردار اوزون حسن نے مرزا جہاں کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ نواب

بیرم خان کا تعلق قراقونیلو کی شاخ بہارلو سے تھا۔ جو نویں صدی ہجری میں عراق اور آذر بائیجان کے حکمران تھے۔ جب آق قونیلو قبیلہ نے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے ان کی سلطنت کو برباد کر دیا تو نواب بیرم خان کے پردادا یار علی اور دادا سیف علی نے بابر بادشاہ کی ملازمت اختیار کرلی۔

## نواب بیرم خان

نواب بیرم خان بدخشاں میں پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش اور عمر مورخین کے درمیان موضوع اختلاف ہے۔ فی الحال اس قضیئے کا فیصلہ پروفیسر سوکمار رائے کی عالمانہ بحث سے ہی ختم ہوتا ہے یعنی ان کی تاریخ پیدائش ۹۰۲ھ یا ۱۴۹۷ء تھی۔ اور قتل کے وقت ان کی عمر تقریباً چونسٹھ سال تھی۔

نواب بیرم خان کی خدمات برائے مغلیہ خاندان آب زر میں لکھنے کے قابل ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر بیرم خان نہ ہوتا تو مغلیہ سلطنت کا وجود ہندوستان میں صفحہ ہستی سے بہت ہی پہلے مٹ گیا ہوتا۔ بیرم خان نے ہندوستان دوبارہ حاصل کرنے میں مغلوں کیلئے اہم کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ یہ بیرم خان کا ہی اہم مشورہ تھا کہ ہمایوں اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو بحال کروانے کیلئے پہلے ایران جائے اور پھر کابل اور قندھار کو زیر کرے۔ اس کے علاوہ ماچھی واڑہ اور سرہند کے معرکوں کو فتح میں تبدیل کرنے میں بھی بیرم خان کا مکمل ہاتھ تھا اور یہ بیرم خان کی انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مغلوں کو ہندوستان میں کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ واپس مل گئی۔ بیرم خان کا دوسرا عظیم الشان کارنامہ مغلیہ سلطنت کا استحکام تھا۔ ہمایوں کی وفات کے وقت اکبر تیرہ سال کا نابالغ بچہ تھا اور حکمرانی کے قابل نہ تھا اور اس وقت بیرم خان کی ذہانت فراست اور حسن تدبر نے مغلیہ سلطنت کو استحکام بخشا۔ اب ان کارہائے نمایاں کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

بیرم خان کی جائے پیدائش بدخشاں تھی اور باپ کے مرنے کے بعد بلخ میں جا کر اس نے تعلیم حاصل کی اور سولہ سال کی عمر میں ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے زیرسایہ تربیت پانے لگا۔ یہاں تک کہ قرب و مصاحبت اور امارت کے درجے پر فائز ہوا۔ جنگ قنوج جو کہ ہمایوں اور شیر شاہ سوری کے درمیان (۱۷ مئی ۱۵۴۰ء) لڑی گئی۔ ہمایوں کی شکست فاش پر منتج ہوئی۔ اس جنگ میں بیرم خان نے ہمایوں کی طرف سے دلاوری کے جوہر آشکارا کئے لیکن بے سود۔ ہمایوں کا لشکر عالم پریشانی میں ادھر ادھر بکھر گیا اور

بیرم خان سنبھل کی طرف چلا گیا اور وہاں کے ایک معتبر زمیندار متیرسین سے مدد کا خواستگار ہوا۔ جب یہ خبر شیر شاہ سوری کو ملی تو اس نے بیرم خان کو بلا بھیجا اور ان دونوں کی ملاقات مالوہ میں ہوئی اور چکنی چپڑی باتوں سے اسے اپنے ساتھ ملانے کی بھرپور کوشش کی۔ باتوں باتوں میں بیرم خان نے ایک ہنسی خیز جملہ کسا یعنی "جو مخلص ہوتا ہے وہ خطا نہیں کرتا۔" شیر شاہ سوری جیسا زیرک شخص فوراً سمجھ گیا کہ بیرم خان ہمارے کام کا آدمی نہیں ہے اور مفید ثابت نہیں ہو گا۔ یہاں سے ابو القاسم حاکم گوالیار کی مدد سے بیرم خان بھاگ نکلا اور گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں راستے میں شیر شاہ سوری کے ایک فوجی قافلے نے ان کو آن دبوچا اور غلطی سے بیرم خان کو ابو القاسم سمجھا اور ابو القاسم کو بیرم خان سمجھا۔ بیرم خان جو کہ اخلاص کا پتلا تھا ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ انہوں نے ابو القاسم کو بیرم خان سمجھ کر مار ڈالا اور بیرم خان کی نشاندہی کو اصلی ماننے سے انکار کر دیا۔ بیرم خان گجرات کی طرف عازم سفر تھا' وہاں کے حاکم محمود خان نے اسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ یہاں سے حج کا بہانہ کر کے کھسک گیا اور سورت بندر سے گزر کر دوارکا پہنچا اور وہاں سے قصبہ جون واقع ساحل دریائے سندھ پہنچا۔ جہاں ارغونوں کی قوم اس وقت سندھ میں حکومت کر رہی تھی۔ وہاں سے ہمایوں بادشاہ کا قافلہ حیران اور سراسیمگی کی حالت میں وہاں سے گزر رہا تھا کہ ان پر حملہ ہو گیا۔ اتفاق سے بیرم خان کا قافلہ بھی قصبہ جون کے نواح میں پہنچ چکا تھا۔ اسے جب پتہ لگا کہ ارغونوں نے ہمایوں بادشاہ کی فوج پر حملہ کر دیا ہے تو بیرم خان نے پیچھے سے ارغونوں کو پیچھے سے آن دبوچا اور شکست فاش دی۔ ہمایوں کی فوج حیران تھی کہ یہ غیب سے فوج کہاں سے ان کی کمک کیلئے پہنچ گئی ہے اور دشمنوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہی ہے۔ جب انہیں پتہ لگا کہ یہ بیرم خان کی فوج ہے تو خوشی سے ان کی باچھیں کھل گئیں۔ اس کے بعد ہمایوں ایران روانہ ہو گیا تو بیرم خان تمام سفر ان کے ہم رکاب اور غم خوار ساتھی تھے۔ ان کے ایران جانے کا مقصد شاہ ایران سے فوجی مدد لینا تھا تاکہ ہندوستان کو دوبارہ فتح کر سکیں۔ شاہ طہماسب صفوی والی ایران (۷۶-۱۵۲۴ء) بیرم خان کی فراست' وفاداری اور اخلاص سے اتنا متاثر تھا کہ اسے ایک دن جلسہ چوگان بازی میں خان کا خطاب دیا تھا۔ بعد ازاں اس نے اسے دو بار دیار بکر اور آذر بائیجان کی حکومت کی بھی پیشکش کی تھی جہاں اس کے آباؤ اجداد کبھی حکمرانی کرتے تھے لیکن بیرم خان نے اس اعزاز کے مقابلے میں ہمایوں بادشاہ کی نوکری کو ترجیح دی۔

شاہ طہماسپ صفوی نے ہمایوں بادشاہ کو فوجی مدد دینے کی حامی بھرلی تاکہ ہندوستان افغانوں سے واپس

چھینا جا سکے۔ ہندوستان کو واپس لینے کیلئے یہ اہم ضرورت تھی کہ ہمایوں سب سے پہلے قندھار اور کابل کو اپنے بھائی مرزا کامران سے واپس لے چنانچہ ہمایوں بادشاہ نے دو عدد فرمان اپنے بھائی مرزا کامران کو بدست بیرم خان بھیجے۔ ان میں ایک نصائح اور موعظت سے بھرپور تھا اور دوسرے میں اسے حکم دیا تھا کہ وہ قندھار کا قبضہ چھوڑ کر بیرم خان کے حوالے کر دے۔

ہمارے مصنف منشی دیبی پرشاد کایستھ نے اپنی تصنیف تاریخ خانخان نامہ (صفحہ، آخری پیرا کی پہلی سطر) میں بالخصوص ان دو فرامین کا ذکر کیا ہے کہ ایک فرمان شاہ ایران نے مرزا کامران کو لکھا تھا اور دوسرا فرمان ہمایوں بادشاہ نے نصائح اور موعظت سے بھرپور مرزا کامران کو لکھا تھا۔ منطقی تحقیق اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ہمارے مصنف نے حالات کو سمجھنے میں غلطی کی ہے یا کاتب نے طباعت کے وقت غلط الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ذخیرۃ الخوانین مصنفہ شیخ فرید بھکری نے صرف ایک ہی فرمان کا ذکر کیا ہے[1] جو کہ ہمایوں بادشاہ نے قندھار کی واپسی کیلئے مرزا کامران کو بدست بیرم خان بھیجا تھا۔ اسی طرح سے ماثر الامرا مصنفہ شاہ نواز خان نے دو فرامین کا ذکر کیا تھا[2] جو ہمایوں بادشاہ نے بدست بیرم خان مرزا کامران کو کابل بھیجے تھے۔ ایک فرمان نصائح سے بھرپور تھا اور دوسرا قندھار کی سپردگی بیرم خان کے حق میں کے متعلق تھا۔ منشی دیبی پرشاد کا بیان کہ ان میں سے ایک فرمان شاہ ایران کی طرف سے مرزا کامران کو بھیجا گیا تھا، حقیقت سے عاری ہے۔ مرزا کامران کو بڑا بھائی ہمایوں بادشاہ تو نصیحت یا حکم جاری کرنے کی جسارت کر سکتا تھا لیکن شاہ ایران کا ایسا کرنا خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے۔

مرزا کامران نے ہمایوں کے فرامین کو قابل غور نہ سمجھا اور خاموش رہا۔ اس پر ہمایوں نے شاہ ایران کی فوجی مدد سے قندھار کا قلعہ مرزا کامران سے چھین لیا اور اس مدد کے صلہ میں ایرانیوں کو تحفتہ" دے دیا اور ایرانیوں کی طرف سے قزلباشوں نے اس کا نظام حکومت سنبھال لیا۔ کچھ عرصہ بعد ہمایوں کابل کی تسخیر کیلئے ایران سے روانہ ہوا تو بیرم خان کی زیر سرکردگی قلعہ قندھار ایرانیوں (قزلباشوں) سے چھین لیا اور قندھار کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا کر کابل کو مرزا کامران سے چھین لیا تاکہ ہندوستان کی فتح کیلئے معاملات سلجھائے جا سکیں اور بیرم خان کو قندھار کا گورنر مقرر کیا اور اس کے ساتھ ہی شاہ طہماسپ صفوی کو ایک معذرت نامہ لکھا کہ قندھار کی فتح اس کے لئے اہم ضرورت تھی اور اس کا گورنر بھی بیرم خان کو مقرر کیا جو کہ ہم دونوں کا مشترکہ غلام ہے۔ (تاریخ گواہ ہے کہ ایران کے فرمانرواؤں نے قندھار کے نقصان کو کبھی معاف نہیں کیا اور بعد میں

ہزاروں جانوں کے ضائع ہونے کا باعث ہوا)

کابل کی فتح کے بعد ہمایوں ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ بیرم خان اس مہم میں اس کا ہم رکاب تھا اور تمام جنگوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے خاص کر ماچھی واڑہ کے معرکے میں (۱۵۵۵ء) بیرم خان نے قلیل فوج کے ساتھ ہزاروں افغانوں کو مار بھگایا اور افغان حکومت کا خواب چکناچور کر دیا۔ ان خدمات کی وجہ سے ہمایوں بادشاہ نے اسے یار وفادار' فرزند سعادت مند اور برادر نیکوسیر کا خطاب دیا اور سرہند میں کئی جاگیریں بھی بطور انعام دیں نیز شہزادہ اکبر کا اتالیق مقرر کیا۔ اسی اثناء میں ہمایوں بادشاہ اپنے کتب خانے کی سیڑھیوں سے اچانک گر پڑے' چوٹ لگی' کان اور ناک سے خون بہتا رہا' سر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ۲۶ جنوری ۱۵۵۶ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

اس وقت اکبر کی عمر تیرہ سال تھی اور بیرم خان نے حق نمک خوب ادا کیا۔ اکبر کو کلانور کے مقام پر تخت نشین کرایا۔ ۱۴ فروری ۱۵۵۶ء اور بادشاہ نے ان خدمات کے صلہ میں اسے خان خاناں کا خطاب اور وکیل السلطنت کے عہدے سے نوازا اور سلطنت کا سب کام اس کے سپرد کر دیا اور بادشاہ اس کو خان بابا کہہ کر پکارتا تھا۔ ۱۵۵۷ء میں سلیمہ سلطان بیگم کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ سلیمہ سلطان بیگم ہمایوں کی بہن گل برگ بیگم کی بیٹی تھی اور اس کے باپ کا نام مرزا نور الدین محمد تھا۔ سلیمہ سلطان بیگم باسلیقہ عورت اور شاعرہ بھی تھی۔ اس کا مشہور شعر مندرجہ ذیل ہے۔ اس کا تخلص مخفی تھا

کاکلت را من زمستی رشتہ جان گفتہ ام  مست بودم زیں سبب حرف پریشان گفتہ ام

(اردو ترجمہ : میں سرمستی میں تیری زلف کو رشتہ جان کہہ گیا تھا کیونکہ میں مست تھا اس لئے اسی قسم کی بے معنی گفتگو کی ہے)

۱۵۶۱ء میں بیرم خان کے قتل کے بعد اکبر نے سلطان سلیمہ بیگم سے شادی کی اور یہ اس کی دوسری بیوی تھی۔ اس کا انتقال ۱۶۱۱ء میں ہوا۔ جہانگیر نے اپنی توزک میں اس کا سال وفات ۱۶۱۱ء اور عمر ساٹھ سال لکھی ہے۔ اگر اس کی کل عمر ساٹھ سال کی صحیح مان لی جائے تو بیرم خان سے شادی کے وقت اس کی عمر چھ سال بنتی تھی جو کہ غلط ہے۔ معلوم ہوتا ہے توزک جہانگیری کے کاتب نے ساٹھ سال عمر غلط لکھی ہے۔ کامگار خان مصنف ماثر جہانگیری (مخطوطہ برٹش میوزیم) نے اس کی کل عمر ۶۷ سال لکھی ہے جس کو درست ماننا چاہیئے۔

بیرم خان نے پانچ سال یعنی ۱۵۵۶ء سے ۱۵۶۱ء سب بطور وکیل السلطنت یا مختار کل کروفر سے حکومت کی۔ قدرتی طور پر اس کے ساتھی امرا حسد کی آگ میں جلنے لگے اور اکبر اور بیرم خان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے رہے۔ ۱۵۶۰ء میں ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ بیرم خاں کشتی میں دریائے جمنا کی سیر کر رہے تھے کہ ایک بادشاہی ہاتھی مستی سے پانی میں گھس کر بیرم خان کی کشتی پر حملہ بولنے کی نیت سے دوڑ پڑا، جسے فیل بان نے بڑی مشکل سے روک دیا لیکن بیرم خان کے شکوک مزید پختہ ہو گئے۔ اکبر نے ان شکوک کو رفع کرنے کے لئے اسی فیل بان کو معذرت کیلئے بھیجا لیکن بیرم خان نے آداب شاہی کا پاس نہ رکھتے ہوئے اسی فیل بان کو قتل کروا دیا۔ چغل خوروں کی چغلیاں اپنا کام سرانجام دے رہی تھیں۔ اس اثنا میں اکبر کی رضاعی ماں ماہم انگا اور حقیقی والدہ حمیدہ بانو بیگم نے بھی بیرم خان کو معزول کروانے میں کافی حصہ لیا چنانچہ ۱۵۶۱ء میں اکبر نے بیرم خان کو معزول کر دیا اور خود نظام سلطنت سنبھال لیا۔ بیرم خان حج کرنے کی نیت سے دارالخلافہ سے روانہ ہو گیا جب وہ گجرات پہنچا تو مبارک نامی ایک پٹھان نے جس کا باپ ماچھی واڑہ کی جنگ میں مارا گیا تھا، اس کا کام تمام کر دیا۔

بیرم خان فضل و کمال تقویٰ، ہمت، مدبر، شجاع کارواں اور قوی دل شخص تھا اس کے خاندان مغلیہ پر لاتعداد اور غیرفانی احسانات ہیں۔ شاہ طہماسپ صفوی سے فوجی مدد لانے میں بھی بیرم خان کا قوی ہاتھ تھا۔ ہمایوں کی وفات کے وقت حالات سخت دگرگوں تھے۔ اکبر فرو سال اور نابالغ تھا، سوائے پنجاب کے سب علاقہ مغلوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ افغانوں نے اودھم مچایا ہوا تھا اور وہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت ہر صورت میں واپس لینا چاہتے تھے۔ مغل امرا ہندوستان سے واپس جانا چاہتے تھے۔ یہ صرف بیرم خان کی عالی ہمتی تھی کہ اس نے ان سب دشمنوں کو پامال کیا اور مغلیہ سلطنت کو مستحکم کیا۔ ہیموبقال کو پانی پت کی دوسری لڑائی میں بالکل تباہ کر دیا۔

ان خصوصیات کے علاوہ بیرم خان ایک اعلیٰ پایہ کا شاعر تھا۔ خوش قسمتی سے اس کا دیوان چھپ چکا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین سٹڈیز، کراچی نے بڑی جانفشانی سے اس بکھرے ہوئے دیوان کو اکٹھا کیا اور اہل دانش کیلئے ضیافت طبع کا سامان مہیا کیا۔

حصہ دوم

# نواب عبدالرحیم خان خانخاناں

تاریخ پیدائش : ۱۶ دسمبر ۱۵۵۶ء' جائے پیدائش : لاہور' تاریخ وفات : ۱۶۲۷ء کے وسط میں ۔ دہلی میں دفن ہوئے۔

جب ہمایوں بادشاہ شیر شاہ سوری سے شکست فاش کھا کر ایران میں پناہ گزین ہوا تو شاہ طہماسپ صفوی نے اس کے حالات دیکھ کر اس کی شکست کی وجوہات کا یوں جائزہ لیا:-

> مغلوں نے ہندوستان کو اپنا وطن تو بنا لیا لیکن یہاں پر بیگانوں کی طرح رہے' نہ ہندو امرا سے دوستی کی اور نہ ہی رشتے ناطے کئے اور بالکل اجنبی ہی بن کر رہائش پذیر رہے۔ اسی لئے ہندوستان کی بادشاہت آپ لوگوں نے گنوا دی۔ اگر آپ کو ہندوستان کی بادشاہت پھر مل جائے تو پٹھان تو آپ کے ازلی دشمن ہیں ان کو حکومت سے بالکل علیحدہ کر کے تجارت پر لگاؤ اور ہندو راجاؤں اور مہاراجوں سے دوستی اور رشتے ناطے استوار کرو۔ اس سے مغلوں کی سلطنت مستحکم ہو جائے گی۔ ہمایوں کو یہ رائے بہت پسند آئی چنانچہ ہندوستان فتح کرنے کے بعد اسے پتہ لگا کہ دہلی کے قرب و جوار میں سب سے بڑا زمیندار حسین خان میواتی ہے۔ چنانچہ اس کے چچا جمال خان کی دو بیٹیوں میں سے بڑی کے ساتھ ہمایوں نے خود شادی کی اور چھوٹی سے بیرم خان کی شادی کرا دی۔

بیرم خان کے قتل کے وقت اس کے بیٹے عبدالرحیم کی عمر صرف چار سال تھی اور اکبر نے اس بچے کی پیشانی پر بڑائی کے آثار دیکھے اور اس کی پرورش اور اعلیٰ تعلیم پر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا' جوان ہونے پر اسے مرزا خان کا خطاب دیا اور اپنی رضاعی بہن ماہ بانو جو کہ خان اعظم مرزا عزیز کوکہ کی حقیقی ہمشیرہ تھی' سے شادی کرا دی۔ اس طرح سے اسے شاہی خاندان سے وہی خصوصی تعلق ہو گیا جو کہ اس کے والد بیرم خان کا تھا اور ایک موثر اور باتدبیر بادشاہ کے دودھ شریک بھائیوں کا گروہ (اتکہ خیل) مغلوں کا زبردست حامی ہو گیا۔ ۱۵۷۷ء میں گجرات کا گورنر مقرر ہوا۔ ۱۵۸۱ء میں بادشاہ کا میر عرض مقرر ہوا۔ ۱۵۸۴ میں شہادہ سلطان سلیم کا اتالیق مقرر ہوا۔ اسی سال اس نے سلطان مظفر گجراتی پر عظیم فتح پائی جس سے اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ اس کے پاس صرف دس ہزار فوج تھی اور سلطان محمود گجراتی کے پاس چالیس فوج ہر قسم کے

سامان حرب سے لیس تھی۔ بظاہر خطرہ تھا کہ اگر لڑائی ہوئی تو مغل قلیل تعداد میں ہونے کی وجہ سے ہار جائیں گے لیکن مرزا عبدالرحیم خان شیر دل انسان تھا اس نے اسی قلیل فوج کے ساتھ ایسی داد شجاعت دی کہ سلطان محمود گجراتی کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ اس عظیم فتح سے مرزا عبدالرحیم کی شہرت اور عزت میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور اکبر بادشاہ نے ازراہ قدردانی اسے پنج ہزاری کا منصب اور خان خاناں کے خطاب سے نوازا۔ مرزا عبدالرحیم اگر تلوار کا دھنی تھا تو سخاوت میں بھی اس کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ گجرات کی فتح سے اسے لوٹ مار کا اتنا مال ہاتھ آیا کہ بے حساب تھا اور اس نے کمال دریا دلی سے اپنے احباب میں بانٹ دیا۔ اس نے ۱۵۸۹ء میں توزک بابری کا ترکی سے فارسی میں بے نظیر ترجمہ کیا اور اپنی شہرت علمی حلقوں میں بھی مسلط کر دی۔ ٹوڈرمل کی وفات پر اسی سال عہدۂ وکالت پر سرفراز ہوا۔ جو کہ مغلیہ دور میں بادشاہ کے بعد سب سے بڑا عہدہ تصور کیا جاتا تھا۔

مرزا عبدالرحیم خان خاناں نے اکبر بادشاہ کے عہد میں بڑی خدمات سرانجام دیں اور عظیم مہمات سر کیں۔ گجرات کی فتح اور سلطان مظفر گجراتی کو ذلت آمیز شکست دے کر گجرات کو مغلیہ سلطنت میں شامل کیا۔ دکن جو کہ مغلوں کیلئے ہمیشہ ہی درد سر رہا ہے۔ اس کی فتح بھی عبدالرحیم خان خاناں کی مرہون منت ہے۔ دکن کے ستر ہزار جنگی سواروں اور لاتعداد مست ہاتھیوں کو اس نے اپنے صرف بیس ہزار سورماؤں کے ساتھ شکست فاش دی۔ ٹھٹھہ اور سندھ کی فتح بھی عبدالرحیم خان خاناں کی مرہون منت ہے۔ مرزا جانی بیگ حاکم ٹھٹھہ اپنے بے انتہا لاؤ لشکر کے باوجود خان خاناں کے سامنے ہیچ ثابت ہوا۔ دکن کے متعلق سب جانتے تھے کہ اسے فتح کرنا صرف خانخاناں ہی کا دم خم ہے کیونکہ وہ ڈپلومیسی کے فن میں بھی لاثانی تھا اور ایسے ایسے داؤ پیچ لگاتا تھا کہ دشمن اس کے نرغے میں پھنس جاتا تھا۔

عبدالرحیم خان خاناں تلوار کا دھنی تو تھا ہی لیکن اس کے علمی و ادبی معرکے اور سخاوت کا ذکر کچھ تفصیل سے ضروری ہے۔

خان خاناں خداداد قابلیت اور بیدار مغزی میں لاثانی تھا۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ ان سب زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ رحیم اس کا تخلص تھا، سخاوت میں حاتم طائی کا ثانی تھا۔ وہ ہمیشہ بہت سی دولت شاعروں، درویشوں اور علماء کو علانیہ اور خفیہ دیا کرتا تھا۔ صرف ایک مثال ضیافت طبع کیلئے کافی ہے۔

ایک شاعر کسی عورت کے عشق میں ایسا مبتلا ہوا کہ اسے دنیا و جہان کی خبر نہ رہی۔ اور اس عورت نے اسے صاف صاف کہہ دیا کہ جب تک مجھے ایک لاکھ روپیہ نہ دو گے میں تمہارے سے بات کرنے کی روادار نہیں۔ شاعر لوگ تخیل کی دنیا میں بڑی اونچی اڑان لگاتے ہیں لیکن جیب ہمیشہ ہی خالی ہوتی ہے۔ وہ بیچارہ حیران پریشان تھا کہ اتنی بڑی رقم خطیر کہاں سے لائے۔ کسی خیر خواہ نے اسے یہ مشورہ دیا کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ عبدالرحیم خانخاناں کی خوشنودی کیلئے طبع آزمائی کر کے ایک قصیدہ لکھ دو اور کام ہو جائے گا۔ اس کا قصیدہ خان خاناں کو بہت پسند آیا اور اسے بجائے ایک لاکھ روپے کے ایک لاکھ چھ ہزار روپے عطا کیئے جس کی وجہ خان خاناں نے خود ہی بتائی یعنی ایک لاکھ تو وہ اپنی محبوبہ کو دے دے اور مزید چھ ہزار روپے سے اس سے ملنے کے بعد کے اخراجات پورے کرے۔

اکثر شاعروں کو اشرفیوں میں تولتا تھا۔ اگر وہ شجاعت سخاوت اور ڈپلومیسی میں لاثانی تھا۔ اسی طرح وہ کینہ پروری، دنیا دوستی اور مکاری میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ وہ علانیہ کہا کرتا تھا کہ دشمن سے دوستی کے لباس میں دشمنی کرنی چاہیئے۔ بغیر دغا بازی کے آدمی کام کا نہیں ہوتا۔ مگر دغا بازی کو بطور ڈھال کرنا جائز ہے تلوار کرنا جائز نہیں۔

خان خاناں ہندی اور سنسکرت میں بھی شاعری کرتے تھے ان کے تخلیق شدہ اشلوک اور گیت آج تک ہندوؤں میں مشہور ہیں اور مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کی علمی مجلسوں میں ان کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔

راج بوندی کی ہندی تاریخ بنس بھاسکر میں لکھا ہے کہ جب بوندی کے مہاراؤ راجہ بھوج اکبر بادشاہ کے دربار میں رہتے تھے اس وقت بادشاہ کا وزیر نواب خانخاناں تھا، وہ بڑا گن دان داتا بہادر اور عقلمند تھا۔ سنسکرت وغیرہ چھ زبانوں کو جانتا تھا، پنڈت اور برہمنوں کا بڑا قدردان تھا، عیب کسی کے نہیں دیکھتا تھا اور سب کے دکھ میں شامل ہو جاتا تھا۔ مارواڑی زبان میں خانخاناں کی تعریف میں نہایت عمدہ شعر لکھے تھے جن کا ترجمہ کرنا تو مشکل ہے لیکن مفہوم مندرجہ ذیل ہے۔

> یہ بڑا اچنبھا ہے کہ خان خاناں کا کوہ قاف جیسا اونچا اور بڑا دل ساڑھے تین ہاتھ کے جسم میں کیسے سما گیا۔ خانخاناں کی تلوار سے آگ جھڑتی ہے مگر یہ تعجب ہے کہ جل یعنی پانی والے یا صاحب جلال آدمی تو جو مقابلہ کر سکتے ہیں، جل جاتے ہیں اور ترن یعنی گھاس منہ میں لینے والے عاجز اور غریب لوگ زندہ رہ سکتے ہیں۔

خان خاناں کی عجب عالی ظرفی ہے کہ اتنی بڑی سرداری اور دولتمندی کا گھمنڈ ان کے کوہ قاف جیسے اونچے اور بڑے دل میں رائی بھر بھی نہیں ہے۔

دبستان مذاہب' شاہ جہان کے زمانے کی یہ تصنیف جس کا مصنف محسن فانی بیان کیا جاتا ہے' میں مرکوز ہے۔[۳] عبدالرحیم خان خاناں ایک ہندو یوگی ترلوچن کے گوسائیں ہاں جا کر اسے سجدہ کیا کرتا تھا کیونکہ یہ یوگی فوق الانسانی قوتوں سے مالا مال تھا۔

عبدالرحیم خان خاناں کے عروج اور پایہ فضیلت کا زمانہ اکبر بادشاہ کے عہد میں ظہور پذیر ہوا' اس کے تین مشہور کارنامے فتح گجرات' فتح سندھ اور فتح دکن تھے لیکن جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں اس نے کوئی کار نمایاں سرانجام نہ دیا۔ عقل سلیم اور پسندیدہ دانشمندی کے باوجود ذلتیں اٹھائیں لیکن عزت و مرتبہ کی محبت کی وجہ سے کنارہ کش نہ ہوا۔ اس پر اکثر غداری اور بدعنوانی کے الزامات عائد ہوئے لیکن دکن کی مہمات کے پیچیدہ مسائل حل کرنا یہی جانتا تھا اور مغلیہ حکومت کو بہ امر مجبوری اس سے کام لینا ہی پڑتا تھا۔ اس کے دوغلا پن اور طوطا چشمی سے جہانگیر نالاں ہو گیا تھا اور اس نے اپنی توزک میں یہ جملے اس پر کسے ہیں۔[۴]

> "جب خانخاناں جیسے امیر نے جو میرے اتالیقی کے گراں قدر منصب پر فائز تھا۔ ستر سال کی عمر میں اپنے منہ کو نمک حرامی اور کالا کرنے میں دریغ نہیں کیا تو دوسروں کی کیا شکایت ہو سکتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بغاوت اور نمک حرامی اس کی فطرت میں مرکوز تھی۔ اس کے باپ نے بھی آخر عمر میں والد بزرگوار کے ساتھ ایسا ہی ناپسندیدہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ اس نے بھی اس عمر میں اپنے باپ کی پیروی کر کے اپنے آپ کو مطعون خلائق اور ازلی و ابدی مردود بنا دیا۔
> "بھیڑیئے کا بچہ بھیڑیا ہی ہوتا ہے چاہے وہ انسانوں میں پرورش پایا ہو۔"

یہ نیرنگی زمانہ ہے۔ خان خاناں جو اکبر بادشاہ کے عہد میں ترقی و عظمت کے بلند ترین درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ وہی شخص عہد جہانگیر میں جہانگیر اور شاہ جہان کے باہمی اختلافات کی وجہ سے بے اعتباری' نقصان اور قعر ذلت میں پھنس کر رہ گیا اور اخیر بڑی تلخی' بدنامی اور خرابی کے ساتھ گزری۔ خان خاناں کی وفات ۱۶۲۷ء میں ۷۲ سال کی عمر میں ہوئی اور جو مقبرہ انہوں نے اپنی بیگم کیلئے بنوایا تھا وہ اسی میں دفن ہوئے۔ خان خاناں کا مقبرہ دہلی میں عظیم قامت دو منزلہ عمارت میں ہے۔

منشی دیبی پرشاد کایستھ کا خانخان نامہ کوزے میں دریا سمونے کی مانند ہے۔ ہمارے مصنف نے فارسی کے علاوہ ہندی اور مارواڑی ماخذ بھی استعمال کئے ہیں جس سے اس کی تصنیف کی منزلت بڑھ گئی ہے۔

اسے اس بات کا افسوس ہے کہ کتاب مذکورہ لکھتے وقت ماثر رحیمی مصنفہ عبدالباقی نہاوندی اس کے ہاتھ نہیں لگی یہ ایک ضخیم فارسی نسخہ چار ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے اب ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے تین جلدوں میں ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۱ء تک شائع کروا دیا ہے اور یہ کتاب ہمیں آسانی سے مل سکتی ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ شیخ فرید بھکری، ذخیرۃ الخوانین، جلد اول، کراچی، ص ۱۲۔

۲۔ شاہ نواز خان، ماثر الامراء، جلد اول، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۷۲-۳۔

۳۔ محسن فانی، دبستان مذاہب، مخطوطہ برٹش میوزیم نمبر ایڈیشنل ۱۶۶۷۰، ص ۱۹۳ ب۔

۴۔ محمد جہانگیر، توزک جہانگیری، جلد دوم (اردو ترجمہ) اعجاز الحق، ۱۹۷۰ء، ص ۴۱-۳۔

# اشاریہ مجلّہ تاریخ و ثقافت پاکستان

(۱۹۸۰ء - ۱۹۹۴ء)

مرتب : محمد منیر خاور

مجلّہ تاریخ و ثقافت پاکستان، جلد ۶، اپریل ۱۹۹۵ء، قیمت ۲۰ روپے

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد